Journal of Media Horizons
ISSN: 2710-4060 2710-4052 Volume 6, Issue 6, 2025

REPRESENTATION OF MINORITY ISSUES IN SECULAR INDIA: A SPECIAL REFERENCE TO NOVEL *EK MAMNOOA MOHABBAT KI KAHANI*

سیکولر ہندوستان میں اقلیتوں کے مسائل کی عکاسی: بحوالہ خصوصی ناول ایک ممنوعہ محبت کی کہانی

انعم مختار، ڈاکٹر غلام فریدہ

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.17935814

Keywords
Secularism, India ,Urdu Novel, Rahman Abbas, Ek Mamnooa Mohabbat Ki Kahani

Article History
Received: 06 October 2025
Accepted: 15 November 2025
Published: 29 November 2025

Copyright @Author

Corresponding Author: *
ڈاکٹر غلام فریدہ

Abstract
This study examines the contradictions of secularism in contemporary India through a critical reading of Rahman Abbas's novel Ek Mamnooa Mohabbat Ki Kahani. *Although India claims to be the world's largest democracy and a secular state, the lived reality of its Muslim minority often reflects insecurity, cultural suppression, and identity-based marginalization. The novel portrays these tensions through the symbolic life of its protagonist, Abdul Aziz, whose personal experiences of love, fear, social restriction, and eventual death mirror the broader existential crisis of minority communities. By highlighting issues of linguistic oppression, cultural erosion, religious politics, and rising majoritarianism, the narrative exposes how state policies, social prejudices, and internal communal pressures undermine the constitutional promise of equality and freedom. The novel thus becomes more than a love story- it serves as a socio-political commentary on the fragility of minority rights in a society where secular ideals remain largely aspirational rather than lived realities.*

INTRODUCTION

ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیکولر ریاست ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے۔ 1950 میں نافذ ہونے والے ہندوستانی آئین نے واضح طور پر ثابت کیا کہ یہ ملک مذہبی، ثقافتی اور لسانی تنوع کے باوجود اجتماعی زندگی کو مساوات اور آزادی کے اصولوں پر قائم رکھے گا۔ مگر "سیکولر ہندوستان کی اصل شکل" کا سوال ہمیشہ سے علمی مباحث، سیاسی گفتگو اور سماجی تجزیے کا اہم موضوع رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیکولرزم کا نظریاتی تصور اور عملی تجربہ اکثر ایک دوسرے سے مختلف ثابت ہوتا ہے۔

"ہندوستانی سیکولرازم مذہب کی مکمل علیحدگی کی بجائے مذہب کے مساوی احترام پر قائم ہے"1

ہندوستانی سیکولرزم کی اصل شکل سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تاریخی بنیادوں، آئینی اصولوں، سماجی حقیقتوں اور عملی تنازعات کو ایک مربوط تناظر میں دیکھا جائے۔ سیکولرزم بنیادی طور پر ریاست اور مذہب کی علیحدگی کا نظریہ ہے۔ لیکن ہندوستانی سیکولرزم مغربی سیکولرزم سے مختلف ہے، کیونکہ یہاں ریاست مذہب کو بالکل نظر انداز نہیں کرتی بلکہ تمام مذاہب کے ساتھ "فاصلے پر مبنی احترام" (principled distance) رکھتی ہے۔ یہ تصور ہندوستانی تنوع اور کثرتیت کے تاریخی پس منظر سے جڑا ہوا ہے جہاں مختلف مذاہب نے ہمیشہ باہمی تعامل، تعاون اور تصادم کے مراحل دیکھے ہیں۔ اسی وجہ سے ہندوستانی سیکولرزم کو ایک "کثیر المذہبی ماڈل" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف مغربی سیکولرزم مکمل طور پر مذہب کو نجی زندگی تک محدود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ISSN: 2710-4060 2710-4052 Volume 6, Issue 6, 2025

ہندوستان کے آئین کے مطابق، سیکولرزم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ریاست کسی ایک مذہب کو سرکاری حیثیت نہیں دے گی، تمام شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں گے اور مذہبی آزادی کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا جائے گا(Constitution of India, Articles 14, 25–28) ۔اس نظریاتی وعدے کی بنیاد پر ہندوستان نے دنیا میں ایک ایسا تاثر قائم کیا کہ یہاں مذہبی تنوع ایک قوت ہے نہ کہ کمزوری۔ مگر وقت کے ساتھ یہ واضح ہونے لگا کہ ریاستی پالیسی، سیاسی قوتوں اور سماجی رویوں نے سیکولرزم کو نظریے کے مطابق عملی جامہ نہیں پہنایا۔ سیکولر ہندوستان کی اصل شکل کو سمجھنے کے لیے ایک اہم پہلو "شناخت" کا مسئلہ ہے۔ بھارتی سیکولرازم کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ریاست کسی ایک مذہب کی سرپرستی نہیں کرتی ہے۔

ہندوستان کی آبادی میں کئی مذہبی گروہ شامل ہیں، مگر مسلمانوں کی تعداد دوسری بڑی مذہبی کمیونٹی ہونے کے باوجود اکثر "دوسرے" یا "غیر" کی حیثیت سے دیکھی جاتی ہے۔ کئی سماجی علوم کے ماہرین کے مطابق، ہندوستان میں مسلمان ایک مستقل شناختی بحران کا سامنا کرتے ہیں، جہاں ان کی حب الوطنی پر سوال اٹھایا جاتا ہے اور ان کی مذہبی و تہذیبی علامات کو مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے (Engineer, 2004)۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیکولرزم کا نظریہ مذہبی برابری کا تو وعدہ کرتا ہے، مگر عملی طور پر سماج کی ساختی حقیقتیں اس وعدے کو پورا کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔

"جافریلوٹ ہندوستان میں ہندوتوا سیاست کے عروج، اکثریت پسندی کے بڑھتے اثرات اور سیکولر ڈھانچے کی کمزوریوں کو دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ کتاب آج کے ہندوستان کی سیاسی فضا کو سمجھنے کے لیے بنیادی ماخذ ہے۔"3

فرقہ وارانہ فسادات ہندوستانی سیکولرزم کی سب سے بڑی آزمائش رہے ہیں۔1960 کے بعد سے اب تک مختلف شہروں میں ہونے والے فسادات نے ثابت کیا ہے کہ اقلیتوں کا تحفظ ریاست کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ فسادات کے دوران پولیس اور انتظامیہ کی غیر جانبداری اکثر سوالات کی زد میں رہی ہے۔ فسادات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر متاثرین مسلمان ہوتے ہیں جبکہ نقصان، گرفتاریوں اور عدالتی کارروائی میں بھی عدمِ مساوات دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ صورتِ حال ظاہر کرتی ہے کہ سیکولرزم کا نظریاتی وعدہ "ریاستی غیر جانبداری" پر قائم ہے، مگر عمل میں ریاست اکثر اکثریتی بیانیے کے دباؤ میں جھک جاتی ہے۔

رحمن عباس کا ناول *ایک ممنوعہ محبت کی کہانی* بظاہر ایک رومانی داستان ہے، لیکن اس کی داخلی ساخت اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ ایک وسیع تر سماجی، تہذیبی اور سیاسی پس منظر کا حامل متن ہے، جس میں کوکن کے علاقائی رنگ، تاریخی پس منظر، ثقافتی رویّے، مذہبی اقدار اور اقلیتی معاشرے کے اندر جنم لینے والے خوف و جبر کو نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ہندوستانی معاشرہ جسے آئینی طور پر ایک سیکولر اور جمہوری ریاست ہونے کا دعویٰ حاصل ہے، عملی سطح پر شدید تضادات اور کشمکش کا حامل دکھائی دیتا ہے۔ مسلمان اقلیت، جو صدیوں سے اس خطے کی تاریخ، سیاست اور تہذیب میں بنیادی کردار ادا کرتی آئی ہے، آج اپنی شناخت کے تحفظ، مذہبی آزادی، سماجی وقار اور ثقافتی تسلسل کے حوالے سے غیر معمولی دباؤ کا شکار ہے۔ یہ ناول اسی بے چینی اور انتشار کو علامتی و حقیقی سطح پر ظاہر کرتا ہے۔

ناول کا مرکزی کردار عبدالعزیز ایک ایسے ماحول میں پرورش پاتا ہے جہاں محبت، رشتے اور انسانی جذبے محض ذاتی تجربے کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ ان پر پورا سماج نگاہ رکھتا ہے۔ ایک کم سن لڑکے کا ایک شادی شدہ اور نسبتاً زیادہ عمر کی عورت سے محبت کرنا صرف ایک "ممنوعہ" جذبہ نہیں، بلکہ اس معاشرتی ذہنیت کا عکاس ہے جو جذبات کو بھی عمر، مذہب، جنس اور سماجی مرتبے کے ترازو میں تولتی ہے۔ محبت کو جرم بنا دینے والا یہ رویّہ دراصل ایک اقلیتی معاشرے کے اس خوف، بے یقینی اور پابندیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اسے اپنی داخلی دنیا کے اظہار تک میں جھجک اور ہراس سے بھر دیتا ہے۔ عبدالعزیز کی محبت ایک انفرادی تجربہ ہونے کے باوجود اپنی جڑوں میں اقلیتی سماج کے اجتماعی احساسِ جبر کو سمیٹے ہوئے ہے۔

ناول میں کوکن کے رسم و رواج، تہذیب اور روایت کا ذکر محض ثقافتی نقشہ گری نہیں بلکہ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ اقلیتی معاشرے اپنی شناخت قائم رکھنے کے لیے کس قدر حساس ہوتے ہیں۔ ثقافت ان کے وجود کا وہ سہارا بن جاتی ہے جسے کھونے کا خوف ہر لمحہ محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبت کا "ممنوع" ہونا دراصل اس خوف کا بیانیہ ہے کہ کہیں کوئی ایسا عمل نہ ہو جائے جو سماجی توازن کو بگاڑ دے اور اقلیتی شناخت کو مزید کمزور کر دے۔ محبت اس سماج میں ایک خطرناک علامت اس لیے بنتی ہے کہ وہ قائم شدہ روایات اور مذہبی اقدار سے ہٹ کر فرد کے ذاتی احساس اور آزادی کے تصور کو پیش کرتی ہے، جو سماج کے لیے قابلِ قبول نہیں۔ رحمن عباس کے ناول میں زبان، ثقافت اور مذہب کے حوالہ سے پیش کیے گئے تصورات ہندوستانی اقلیتوں کے سماجی تجربات کو گہرائی سے منکشف کرتے ہیں۔ ناول زبان کو محض اظہار کا ذریعہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے طاقت، شناخت اور مزاحمت کی علامت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

"زبانوں کے حقوق کی طرح بولیوں کے بھی حقوق ہیں۔ بولی کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ زبانوں کی موجودگی میں بھی اسے زندہ رہنے، ترقی کرنے اور اپنے کلچر کو فروغ دینے کا موقعہ ملے۔ وہ زبان جو بولیوں پر حملہ آور ہو اور اپنے دبدبے کو قائم کرنے کے لیے ان کا مذاق اڑائے وہ زبان شر پسندوں، نسل پرستوں اور انسانی حقوق کے قاتلوں کی زبان ہوتی ہے۔ وہ زبان جو اقتدار کی طرف سے جبراً نافذ کی جاتی ہے وہ زبان نہیں بلکہ لوگوں کے گلوں میں غلامی کا طوق ہوتی ہے۔"4

یہاں رحمن عباس ایک ایسے مسئلے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہندوستان میں اقلیتوں کے لیے نہایت حساس ہے، کیونکہ اقلیتی برادریاں اپنی لسانی اور ثقافتی شناخت کے ذریعے ہی اپنے وجود کی بقا کا سامان کرتی ہیں۔ جب بڑی زبانیں چھوٹی بولیوں کا مذاق اڑاتی ہیں یا ریاستی طاقت انہیں مسلط کر دیتی ہے تو اقلیتوں کے لئے یہ صرف لسانی جبر نہیں بلکہ اپنی تاریخ اور تہذیب سے محرومی کا دردناک عمل بن جاتا ہے۔

عبدالعزیز کی موت اور اس کا انجام ناول میں محض ایک رومانی سانحہ نہیں بلکہ ایک علامتی واقعہ ہے جو ہندوستان میں اقلیتوں کی غیر محفوظ صورتِ حال اور ان کے وجودی بحران کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ ناول کے اندر بیٹے کے ہاتھوں باپ کا قتل، نسلوں کے درمیان پیدا ہونے والے خوف، غلط فہمیوں، اور شدید مذہبی و اخلاقی دباؤ کی ایک دل خراش مثال ہے۔ محبت کی سزا کے طور پر عبدالعزیز کا قتل اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اقلیتوں کے لیے زندگی کے فیصلے صرف ذاتی انتخاب نہیں رہتے بلکہ ان پر مذہبی، خاندانی اور سماجی طاقتوں کا ایک مستقل دباؤ موجود رہتا ہے۔ عبدالعزیز کا قتل دراصل اس اقلیتی فرد کی موت ہے جو اپنی شناخت اور جذبات کے ساتھ زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہے مگر سماجی ڈھانچے کے ہاتھوں کچلا جاتا ہے۔

ناول میں مذہبی پیشوائیت اور شدت پسندی کا ذکر نہایت معانی خیز ہے۔ رحمن عباس نے خاص طور پر اس پہلو کو نمایاں کیا ہے کہ کس طرح اقلیتی معاشرے کے اندرونی طبقات میں بھی مذہبی سخت گیری اور تشدد پسند رجحانات جنم لیتے ہیں، جو سماج کی مجموعی کمزوریوں کو مزید بڑھا دیتے ہیں۔ جب سماج مجموعی طور پر دباؤ اور خوف کا شکار ہو تو اس کے اندر مذہبی پیشوا طاقت کے مراکز بن جاتے ہیں اور روزمرہ زندگی کے معمولی معاملات تک میں مذہب کو ایسے طریقے سے استعمال کرتے ہیں کہ افراد کی شخصی آزادیوں کا گلا گھٹ جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال سیکولر ہندوستان کے دعوے پر ایک بڑا سوالیہ نشان ہے کہ اگر ریاست واقعی مساوات اور آزادی کی ضامن ہے تو اقلیتوں میں یہ خوف کیوں مستقل موجود ہے۔

"وہ جانتا تھا کہ مذہبی سیاست کم تعلیم یافتہ افراد اور ثقافتی تاریخی شعور سے محروم قوموں میں یرقان بن کر پھیل جاتی ہے۔ ابتداء کی چند دہائیوں میں بھولے بھالے لوگ اس یرقانی حالت کو تطہیر نفس سمجھنے کی بھول کر بیٹھتے ہیں۔ جب مرض لاعلاج ہو جاتا ہے تب آنکھ کھلتی ہے مگر کھلتے ہی ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہے۔"5

یہاں مصنف کا سماجی و نفسیاتی تشخیص نہایت باریک بینی سے مذہبی سیاست کے نقصانات کو واضح کرتا ہے کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو "ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہے" یہ ایک ایسا جملہ ہے جو اقلیتی معاشروں کی بربادی کی گہرائی کو مکمل شدت سے بیان کرتا ہے۔

ناول میں تعلیم کو ایک انقلابی ہتھیار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اقلیتی معاشرہ اپنی محرومیوں سے نکل کر ترقی کی راہ پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے، لیکن یہی کوشش بعض عناصر کے لیے خطرہ بن جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوان جب اپنے مذہبی پیشواؤں کی شدت پسندی یا سماج کے جبر کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو تناؤ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح ناول اس تضاد کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ مساوات کا دعویٰ کرنے والے معاشرے میں جب اقلیتیں خود کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو ان کے سامنے مزید رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔

"اسلامی کرن کی لہر جب تیز ہوئی تو اس کا ذہنوں پر اثر فطری تھا۔ دو باتیں بہت اہم ہوئیں (1) دنیا کی چاہ اور ترقی ہیچ قرار دی گئی۔ (2) اپنے عقیدے کے علاوہ باقی تمام عقائد مذاہب اور ثقافتی اظہار کو باطل قرار دے دیا گیا۔"6

دنیاوی ترقی کو بے معنی قرار دینا اور دوسروں کے عقائد و ثقافتی اظہار کو باطل کہنا۔ یہ اقتباس ناول ہی نہیں بلکہ برصغیر کے مسلم معاشروں کی اس داخلی کشمکش کا آئینہ ہے جہاں مذہب، ثقافت، جدیدیت اور ترقی باہم ٹکراتی ہیں۔ اقلیتی سیاست کے تناظر میں یہ صورتِ حال مزید پیچیدہ ہو جاتی ہے، کیونکہ اقلیتیں پہلے ہی اکثریتی جبر کا شکار ہوتی ہیں اور جب انہی کی برادری کے اندر شدت پسندی جنم لیتی ہے تو سماجی ٹوٹ پھوٹ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ناول کے جذباتی، نفسیاتی اور سماجی پہلو ایک دوسرے میں اس طرح گندھے ہوئے ہیں کہ یہ متن محض ایک محبت کی کہانی نہ رہ کر اقلیتوں کے اجتماعی تجربے کا بیان بن جاتا ہے۔ عبدالعزیز کی ہجرت، خوف، کشمکش، محبت کی شدت، سماج کی پابندیاں اور آخر میں موت یہ سب مل کر ہندوستانی سماج کی اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں جس میں اقلیت کا فرد ہمیشہ حاشیے پر دھکیلا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس کی زندگی بھی ایک بوجھ ہے اور اس کی محبت بھی۔ ناول ایک ایسے معاشرے کی تصویر پیش کرتا ہے جہاں فرد کی آزادی مذہبی اقدار، ثقافتی پابندیوں، طبقاتی نظام اور سماجی خوف میں جکڑی ہوئی ہے، اور جہاں سیکولرزم محض آئینی صفحے تک محدود رہ جاتا ہے۔

"جابر ثقافتیں افراد کو اپنا محکوم بنانے کے لیے مذہب کی بنیاد رکھتی ہیں۔ ابتدائی معاشروں نے دوسروں پر فوقیت حاصل کرنے کے لیے مذاہب کو ایجاد کیا تھا اور اسے قبول عام بخشنے کے لیے ان کا رشتہ مافوق الفطرت مظاہر سے جوڑ دیا۔ جو انسان کے مجموعی لاشعور کا حصہ تھا۔ تحت الشعور پر اس کا گہرا اثر ہوا۔"7

یہ تجزیہ براہِ راست ہندوستانی اقلیتوں کے تجربے پر منطبق ہوتا ہے جہاں مذہب اور قومیت کے بیانیے کے ذریعے ایک مخصوص سیاسی و ثقافتی طاقت کو مسلط کیا جاتا ہے۔ اقلیتیں اس نظام میں ہمیشہ کمزور، مشکوک اور غیر محفوظ سمجھی جاتی ہیں۔ اس اقتباس کے ذریعے مصنف تاریخی اور تہذیبی جبر کی بنیادوں کو کھول دیتے ہیں اور یہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح مذہب کا تصور ابتدائی معاشروں میں طاقت کے حصول کے لیے استعمال ہوا اور آج بھی اسی حکمتِ عملی کو نئے روپ میں دہرایا جا رہا ہے۔

یوں ایک ممنوعہ محبت کی کہانی ہندوستان کے سیکولر چہرے کے پس پردہ چھپے ہوئے تضادات کو بے نقاب کرتی ہے۔ یہ ناول بتاتا ہے کہ محبت، آزادی، موت، پہچان، خوف اور سماجی جبر سب ایک ایسے معاشرے میں آپس میں جڑے ہوئے ہیں جہاں اقلیت اپنی شناخت کے وجود اور تحفظ کے لیے ہر وقت لڑتی رہتی ہے۔ رحمن عباس کا یہ ناول ایک فرد کی محبت کی ناکامی کا قصہ نہیں، بلکہ اس پورے سماجی نظام کا نوحہ ہے جو اقلیت کی آواز کو دبانے اور اس کی زندگی کو محدود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ناول اس حقیقت کو بے ساختہ بیان کرتا ہے کہ جو سماج محبت جیسے پاکیزہ جذبے کو بھی خطرہ سمجھتا ہے، وہاں اقلیتوں کی زندگی ہمیشہ غیر یقینی، خوف اور محرومی کا شکار رہتی ہے، اور یہی وہ نکتہ ہے جہاں یہ داستان محض عشق نہیں رہتی بلکہ ایک گہری سماجی و سیاسی معنویت اختیار کر لیتی ہے

حوالہ جات

-1Nandy, Ashis. An Ambiguous Journey to the City: The Village and Other Odd Ruins ofelf in the Indian Imagination. Oxford University Press, 2007.

2Jaffrelot, Christophe. (2019). Majoritarian State: How Hindu Nationalism Is Changing India. Hurst. Publishers, London

3 . Kumar, A. (2014). Identity and Marginality in Modern Indian Literature. New Delhi: Oxford. University Press

4۔ رحمن عباس، ایک ممنوعہ محبت کی کہانی (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2009ء) ص125

5۔ ایضاً، ص212

6۔ ایضاً، ص140

7۔ ایضاً، ص133

Institute for Excellence in Education & Research